پاکستان میں اردو غزل کا مزاج

ڈاکٹر زینت بی بی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی پشاور۔
ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور۔
سعید الرحمٰن، پی ایچ ڈی سکالر، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور۔

ABSTRACT:

Ghazal was considered as the pillar of Urdu poetry. This is the biggest reason for its popularity. The expression of ideas in it is the pride of poets. The scope of Ghazal poetry is also more than other genres. Despite the strong opposition to Ghazal in the first three decades of the twentieth century, it has maintained its credibility and quality. Urdu ghazal has gained general acceptance in its internal system due to its elegiac, allegorical, symbolic and technical aesthetics. Apart from ghazal, no other genre of speech has given evidence of contemporary consciousness with intellectual and philosophical diversity. All the themes of partition of India can be covered in Ghazal with passion and feeling. Migrants' pain of being separated from their own, expression of grief, intense emotions, tyranny, political fear and despair, lamentation of an unstable society, social and intellectual problems, linguistic prejudices, psychological confusion, economic degradation, social defeat, new metaphors, symbols, themes and vocabulary, personal feeling of love, physical and technical composition, contemporary issues, figure carving and illustration etc Pakistani ghazal has a unique position in comparison to Indian ghazal. In the period of time, the poets of the first period gave energy to Urdu ghazal in the second period. Thus, in every era, along with the modern generation, ancient and old poets also remained on the poetry tableau with the same dignity and pride. There has been an atmosphere of resistance against Ghazal in every age. Urdu Ghazal continued to move forward with the confluence of modern and ancient and pointing towards the future. Continuity continues its journey. Thus, Urdu ghazal has adopted diverse subjects on a new thematic and intellectual level. But on the technical and technical level, it did not accept the effects of the efforts of thousands of opponents, nor could it be replaced by poetry and independent ghazal. This is a great justification for its development and popularity.

کلیدی الفاظ: ایمائیت، رمزیت، اشاریت، فنی جمالیات، داخلیت، خارجیت، عصری شعور، مزاحمتی شاعری، سماجی مسائل، جذبہ اور احساس، ہیئتی اور تکنیکی نظام واردات قلبیہ، سماجی شعور، کرب واحساب، تعصبات، فکری تنوع، قبولیت، افادیت۔

ملخص: غزل کو اردو شاعری کے ماتھے کا جھومر کہا گیا ہے یہی اس کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس میں خیالات کا اظہار شعراء کے تفاخر کا سرمایہ ہے۔ قارئین غزل کا دائرہ کار بھی دیگر اصناف کے مقابل زیادہ ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی تین عشروں میں غزل کی شدید مخالفت کے باوجود اس نے اپنا اعتبار اور معیار قائم رکھا۔ اردو غزل نے اپنے باطنی نظام میں ایمائیت، اشاریت، رمزیت اور فنی جمالیات کے باوصف قبول عام حاصل کر رکھا ہے۔ فکری اور فلسفیانہ تنوع کے ساتھ عصری شعور کا ثبوت غزل کے علاوہ اور کسی صنف سخن نے نہیں دیا۔ تقسیم ہند کے تمام تر موضوعات غزل کے دامن میں جذبے اور احساس کی آمیخت کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہجرتوں کا دکھ اپنوں سے بچھڑنے کا کرب، اظہار غم، شدت جذبات، جبر واستبداد، سیاسی خوف اور مایوسی، غیر مستحکم معاشرے کا نوحہ، سماجی اور فکری مسائل، لسانی تعصبات، نفسیاتی عقدہ کشائی، معاشی ابتری، سماجی شکست وریخت، نئے استعارے اور علائم، موضوعات و لفظیات، محبت کا شخصی احساس، ہیئتی اور تکنیکی انصمام، عصری مسائل، پیکر تراشی اور تمثیل کاری وغیرہ میں پاکستانی غزل ہندوستانی غزل کے مقابلے میں انفرادی مقام رکھتی ہے۔ زمانی ادوار میں پہلے دور کے شعراء نے دوسرے دور میں اردو غزل کو توانائی بخشی۔ یوں ہر عہد میں جدید نسل کے ساتھ ساتھ قدیم اور پرانے شعراء بھی شعری بساط پر اسی وقار اور آن بان سے براجمان رہے۔ غزل کے خلاف ہر دور میں ایک مزاحمتی فضا قائم رہی ہے۔ جدید اور قدیم سنگم اور مستقبل کی سمت نمائی کے ساتھ اردو غزل

آگے بڑھتی رہی۔ اردو غزل کا یہ سفر جدید اور قدیم کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے نئے اور پرانے مزاج سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ یوں اردو غزل نئی موضوعاتی اور فکری سطح پر متنوع مضامین کو اپنایا ہے۔ لیکن فنی اور تکنیکی سطح پر ہزار مخالفین کی کوششوں کے اثرات قبول نہیں کیے اور نہ ہی اس کی جگہ نظم اور آزاد غزل لے سکی۔ اس کی ترقی اور مقبولیت کا یہ ایک بڑا جواز ہے۔

پاکستان میں اردو غزل کے ارتقا کی پون صدی بیت چکی ہے۔ اس عرصے میں اردو شاعری کی مختلف اصناف فنی و فکری اعتبار سے اہم تبدیلیوں کا سامنا کرتی آرہی ہیں۔ اردو غزل نے بھی فکری حوالے سے بہت سی تبدیلیوں کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے۔ حالانکہ ماضی میں اردو غزل کے وجود کو روایت پسندی کی بابت مختلف خطرات لاحق رہے ہیں مگر اس کے باوجود صنف غزل نے توانائیوں کو برقرار رکھا ہے۔ اس کا فکری سفر یقیناً دلچسپی کا حامل رہا ہے۔ اس سفر کے دوران غزل کے فکری سرمائے میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ یوں پاکستان میں اردو غزل کے نمایاں فکری و فنی رجحانات سامنے آتے ہیں جو ہندوستانی غزل کے مقابلے میں انفرادیت کے حامل ہیں۔

غزل کے اس مختصر عرصے میں اسلوبیاتی، موضوعاتی اور فنی سطح پر اپنا اعتبار قائم رکھا ہے۔ اس کی لطف اندوزی اور دل پسندیدگی میں بھی شعری رچاؤ غیر شعوری سفر طے کرتا گیا ہے۔

غزل کے دامن میں پلنے والی رمزیت اور اشاریت نے اسے دیگر اصناف سخن پر ہمیشہ تفوق عطا کیا ہے۔ اس کی رمزیت اور اشاریت جب ایمائیت کے ساتھ پیکر شعر میں ڈھلتی ہے تو غزل کے رچاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے استعارے اور علائم نے شعراء کو واردات قلبیہ کے اظہار کے لیے ایک وسیع شعری میدان اور فضا عطا کی ہے۔ چنانچہ غزل کے اس بحر بے پایاں میں لاکھوں شعراء نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔ یہی اس کی قبولیت کا بڑا ثبوت ہے۔ ڈاکٹر رشید احمد نے غزل کی پیدائش اور ارتقا کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اردو میں غزل فارسی سے آئی۔ فارسی میں غزل عربی قصیدے کی تشبیب سے پیدا ہوئی کہ قصیدے کے دیگر اشعار کی نسبت تشبیب کا ہر شعر آزاد اور ایک الگ فکری اکائی کا حامل ہوتا ہے۔ (1)

عربی سے فارسی اور اردو کے علاوہ دیگر زبانوں میں غزل کا سفر اس کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے فروغ اور قبول عام پانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ کسی موضوعاتی دائرے میں خود کو پابند کیے بغیر

آزادی سے تشکیل پاتی ہے۔ حیات انسانی اور پوری دنیا اس کے موضوعاتی دائرہ کار میں آتے ہیں۔ اس میں انسان کی داخلی اور خارجی دنیا سمائی ہوتی ہے۔ غزل کے غیر اخلاقی مضامین، مربوط خیال کی عدم دستیابی اور قافیہ ورد یف کی جکڑ بندیوں نے اس وحشی صنف سخن کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی اور اس کے مقابلے میں نظم کو پروان چڑھانے کی سعی کی، لیکن اس وحشی صنف سخن کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوا ہے۔ البتہ غزل کے فکری حوالے سے تنوع اور حقیقت پسندی کو اپنے دامن میں مزید سمونے کا فریضہ انجام دیا۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی نے غزل کے بارے میں لکھتے ہیں:

"غزل ایک ساز کی طرح ہے۔ اس کا ہر شعر ایک تار ہے۔ ہر تار کی آواز مختلف ہے مگر ان آوازوں کے امتزاج سے ایک ایسا دل نواز نغمہ ترتیب پاتا ہے جو ساز و آواز سے ہم آہنگ ہو کر فضاء میں گلدل برسا دیتا ہے"۔
(2)

جدید غزل کے دور میں حسرت موہانی نے اردو غزل کو جہاں کہیں اخلاقی اعتبار عطا کیا۔ وہی غزل کے موضوعاتی دائرے کو سیاست سے آمیخت کیا۔ ان کے شانہ بشانہ حفیظ جالندھری، جگر مراد آبادی، فانی بدایونی اور یگانہ چنگیزی وغیرہ نے غزل کی آبرو کو قائم رکھتے ہوئے متنوع موضوعات سے اس کی ثقافتی نسب نامہ کو جدید عہد سے استوار کیا ہے۔ علامہ اقبال کی غزل تو درجہ بالا شعراء کی غزل اور پوری غزلیہ سرمائے سے ایک الگ تھلگ چیز ہے۔ جسے چیزِ دیگر کہنا بجا ہو گا۔ اقبال کی غزل کے بارے میں آل احمد سرور نے درست لکھا ہے:

"اردو غزل جہاں تک جاسکتی ہے اقبال نے اسے پہنچا دیا۔ اس سے آگے کی فضا میں پرواز سے غزل کے پر جلتے ہیں"۔ (3)

درج بالا شعرا کی غزل سرائی نے اردو غزل کے دامن کو وسعت اور اعتبار عطا کیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے ترقی پسند شعرا نے بھی غزل میں اظہار کے قرینے تلاش کیے۔ چنانچہ فیض احمد فیض، فراق گورکھپوری، احمد ندیم قاسمی اور ظہیر کاشمیری وغیرہ ایسے نابغہ روزگار نظم گو شعراء نے غزل کو ایک بار پھر اردو شاعری کی مقبول ترین صنف بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے ترقی پسند شعرا ہیں جنہوں پیکر نے غزل میں متنوع مضامین پیش کیے۔

یہ سب وہ شعرا ہیں جو قیام پاکستان سے قبل شاعری میں بڑا نام پیدا کر چکے تھے۔ وہ شعرا جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد اردو غزل میں معیاری شاعری کی اور غزل کی بساط کو الگ طریقے سے سجایا ان میں ناصر کاظمی، قتیل

شفائی، مصطفیٰ زیدی، فارغ بخاری، ابن انشا اور حفیظ ہوشیار پوری شامل ہیں۔ ان شعراء نے غزل میں رمزی اور ایمائی کیفیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے شعری پیکر تراشے ہیں۔ علاوہ ازیں متنوع مضامین کی بندشوں سے پاکستان کی غزل کو دیگر غزلوں سے انفرادیت عطا کرنے میں فعال کردار ادا کیا ہے۔ ورنہ اردو ادب کے سخت گیر نقاد ساری زندگی غزل کے مقابلے میں نظم کی حمایت میں دلائل دیتے رہے اور یہ نیم وحشی صنف سخن انہیں ایک آنکھ نہیں بھائی۔ چنانچہ غزل کی مخالفت میں پروفیسر کلیم الدین احمد رقم طراز ہیں:

> "ہر شعر کی تاثیر سے قطع نظر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ غزل کا صوری حسن ہمارے دماغ کو جمالیاتی تسکین نہیں بخشتا اگر ہر شعر کو مکمل اور ایک مختصر نظم تسلیم کر لیا جائے تو بھی غزل میں صوری حسن کا فقدان ہوگا اور غزل کی صورت ایک ایسے مجموعہ کی ہوگی جس میں مختلف نظمیں اکٹھا کی گئی ہوں"۔ (4)

پروفیسر کلیم الدین احمد انگریزی ادب سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اردو ادب کی اکثر و بیشتر اصناف پر کڑا انتساب لگایا ہے۔ غزل کے بارے میں بھی ان کی مثال ایسی ہی رہی ہے۔ وہ غزل کے حوالے سے معتدل رویہ کی وجہ سے سخت گیر مؤقف رکھتے ہیں۔ ان کی تقلید میں بھی بہت سے شعراء اور ناقدین غزل کی تنگ دامانی کا گلہ کیا ہے۔ ایسے حضرات معترضین کو غزل میں ربط اور عدم تکمیل کا شائبہ رہا ہے۔ وہ انہی چیزوں کی کمی کی بابت تہذیبی تکمیل کے شاکی رہے ہیں۔ حالانکہ اردو غزل میں بے ربطی اور پراگندگی الگ الگ اشعار میں تکمیل کے مکمل احساس کے ساتھ ایک اکائی کی صورت میں ساتھ ساتھ رواں دواں رہتی ہے۔ یحیٰ امجد نے غزل کے اسی داخلی حسن کو یوں بیان کیا ہے:

> "غزل کے ربط نہایا داخلی منطق سے یہ مراد ہے کہ غزل کے جملہ شعروں میں جتنے بھی افکار یا باطنی تجربہ منکشف کیے گئے ہیں ان کا لاشعوری پس منظر ایک ہوتا ہے۔ وہ شاعر کے نظام جذبات میں سے صرف ایک ہی سلسلہ احساس کے مختلف اور بظاہر غیر مربوط مگر بہ باطن حفیف سا ربط رکھنے والی اکائیاں ہیں۔" (5)

قیام پاکستان کے بعد ایسے بہت سے شعراء دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے خالص غزل گو شعرا کی حیثیت سے اردو غزل کو انفرادیت عطا کی ہے۔ ایسے شعرا کی بھی کمی نہیں جنہوں نے نظم یا دیگر اصناف کے فروغ کے ساتھ ساتھ

اردو غزل میں بھی مقدور بھر مثالی شعری آرائشیں پیش کی ہیں۔ان شعرا میں بعد میں آنے والی نسل میں احمد فراز، حمایت علی شاعر، محسن احسان، خاطر غزنوی، عزیز حامد مدنی، سلیم احمد، منیر نیازی اور شبنم رومانی وغیرہ نے غزل کے جدید دور میں نئ فنی وفکری توانائیوں کو برقرار رکھا۔ان شعراء نے غزل کی عقدہ کشائی سے نئ راہیں ہموار کی ہیں۔ غزل کی جڑیں عمومی طور پر ہماری تہذیبی زندگی میں سرایت شدہ ہیں۔یہ بھی حقیقت ہے کہ معدودے چند شعرا نے اپنی غزل میں تہذیبی رچاؤ اور اخلاقی گہرائیوں کا ثبوت دیا ہے۔جس طرح کسی بھی معاشرے سے تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو ختم نہیں کیا جاسکتا بالکل اسی طرح غزلیہ سرمائے میں سے بھی ایسے نادر اقدار کو اکھاڑا نہیں جا سکتا۔

غزل کے پروان چڑھنے کے لیے جس ثقافتی نسب نامے کی ضرورت رہی ہے وہ صرف مشرقی ادب اور زندگی کا طرہ امتیاز ہے۔یہی وجہ ہے کہ مغربی ادب میں غزل پروان نہ چڑھ سکی کیونکہ غزل شاعری کو جو پیکر حسن عطا کرتی ہے اس کی مماثلت برصغیر کی قدیم ماحول سے کشید شُدہ ہے۔اس میں پایا جانے والا سوز گداز اور ترنم وغنایت، ایمائیت کے باوجود باطنی کیفیات سے مملو ہے۔اس کے متنوع موضوعات اسلوبیاتی سطح پر بھی ایک خاص نہج رکھتے ہیں۔

سید عابد علی عابد غزل کے اس مزاج کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "مجھے تو غزل اور انسانی معاشرے میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے۔افراد اپنے مقام پر الگ اور خود مکتفی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔لیکن ان کا تعلق اپنی ذات کے علاوہ ایک اور "کل" سے بھی ہوتا ہے جسے اجتماع معاشرہ کہتے ہیں۔"(6)

قیام پاکستان کے بعد ساٹھ کی دہائی کے آگے پیچھے اُبھرنے والے شعرا میں غزل کے میدان میں شکیب جلالی ، شہزاد احمد، ظفر اقبال، اقبال ساجد، سلیم شاہد، جان ایلیا، احمد مشتاق، انور شعور اور اطہر نفیس نے غزل کے دامن کو اپنے اپنے انداز میں وسعت عطا کی ہے۔ان شعرا کے بعد آنے والے شعرا میں امجد اسلام امجد، خالد احمد، جلیل عالی، یوسف حسن، افتخار عارف، سبط علی صبا، خورشید رضوی اور جاوید احمد وغیرہ کی قبیل کے شعرا شامل ہیں۔

یہ غزل کی مقبولیت کا ہی ثمر تھا کہ وہ شعرا جو حلقہ ارباب ذوق کے زیر اثر نظم کی طرف متوجہ ہوئے تھے جلد ہی غزل کی طرف راغب ہونے لگے۔ایسے شعرا میں یوسف ظفر، قیوم نظر، ضیا جالندھری، شہرت بخاری اور انجم رومانی شامل ہیں۔یہ سب شعرا سجاد باقر رضوی کی طرح اردو غزل کو ذریعہ اظہار بنانے لگے۔ان شعرا کی شعری تخلیق سے غزل کی اپج کا اندازہ ہوتا ہے۔شعرا کے ساتھ ساتھ شاعرات نے بھی نظم کے ساتھ غزل میں بھی اچھی

شاعری کی ہے۔ان شاعرات میں کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، ادا جعفری، زہرا نگاہ، شاہدہ حسن، شبنم شکیل، پروین فنا اور پروین شاکر شامل ہیں۔

غزل کی پسندیدگی اور مقبولیت کا یہ بین ثبوت ہے کہ اردو ادب کا شاید ہی کوئی شاعر ہو گا جس نے غزل نہ کہی ہو گی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ شعرا جن کی اصل شناخت نظم ہی ہے انہوں نے بھی غزل کہی ہے اور ایسے ایسے نشتر اشعار نکالے ہیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ نظیر اکبر آبادی کی طرح میرا جی، راشد، جوش ملیح آبادی اور مجید امجد ایسے شعرء ہیں جنہوں نے غزل کی وسعت کا فریضہ انجام دیا ہے-ان شعراء کے علاوہ وزیر آغا، آفتاب اقبال شمیم اور نصیر احمد ناصر ایسے نظم گو شعرا نے پاکستانی غزل میں مقدور بھر اشعار کہے ہیں۔ پاکستان میں غزل کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر ڈاکٹر رشید احمد لکھتے ہیں۔

> ؞؞غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے۔اس کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ غزل جلد از جلد نئے اثرات قبول نہیں کرتی- دوسری اصناف کے برعکس غزل نے جدید رویوں کو بہت آہستگی اور پورے فنی رچاؤ کے ساتھ قبول کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب اکثر اصناف تبدیلی کے طویل عمل سے گزر رہی ہیں اور ان کی صورت تک بدل چکی ہے۔غزل کا بنیادی ڈھانچہ اسی طرح قائم ہے۔غزل نے صرف موضوعاتی سطح تک ہی نئے اثرات کو قبول کیا ہے اور تمام تر بحثوں اور کوششوں کے باوجود آزاد غزل فروغ نہیں پا سکی"۔ (7)

تقسیم ہند کے بعد فسادات کا المیہ غزل کا خاص موضوع رہا ہے۔اس میں انسانی جانوں کے زیاں کے کرب آمیز داستان ملتی ہے۔ایسے حالات میں انسانی دکھوں اور المیوں کی مختصر ترین داستان ہمیں غزل کے بطن سے پھوٹتی دکھائی دیتی ہے۔ ہجرتوں کے دکھ اور اپنوں سے بچھڑنے کی غم بھری داستانیں بھی غزل کا موضوع رہی ہیں۔ غزل نے ایسے حالات میں انسانی جذبات اور احساسات کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے نشتر اشعار پیش کیے ہیں۔ درجہ بالا حوالوں سے ناصر کاظمی کی شاعری نمائندگی کرتی محسوس ہوتی ہے۔

نئے ملک میں خوابوں اور آدرشوں کے ٹوٹنے اور ارمان کے خون ہونے کے رجحانات بھی غزل کا خاص موضوع رہے ہیں۔ کیونکہ عظیم مقصد کے حصول کے لیے دی جانے والی اتنے بڑے پیمانے پر قربانیاں ضائع ہوتے محسوس ہو رہی تھیں۔ غزل نے اس کرب کو جس عمدگی سے ہمارے شعور کا حصہ بنایا ہے۔ کسی اور صنفِ سخن میں ایسا

کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور رہا ہے۔اس قتل وغارت گری اور لوٹ گھسوٹ کے ساتھ سسکتی ہوا انسانیت کے المیوں کو بڑی کامیابی سے اردو غزل میں پیش کیا گیا ہے۔اُسی جبر واستبداد اور سیاسی خوف کی فضاء کو درج بالا تمام کیفیتوں کے درج ذیل نمائندہ شعراء کے اشعار میں محسوس کیا جاسکتا ہے:

جلوہ صبح کا اندھوں میں تو ہے جوش وخروش
آنکھ والوں کو وہی رات نظر آتی ہے

رہزنوں سے تو بھاگ نکلا تھا
اب مجھے رہبروں نے گھیرا ہے (حفیظ جالندھری)

وہ صبح آتے آتے رہ گئی کہاں
جو قافلے تھے آنے والے، کیا ہوئے (ناصر کاظمی)

اچھی باد باں کو تہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخِ ہوا
کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا (فیض احمد فیض)

کسی تجلی کا دیا ہم کو فریب
کسی دھندلکے میں ہمیں پہنچا دیا (احمد ندیم قاسمی)

پاکستان کے ابتدائی ایام میں درپیش اس بے اطمینانی کا جو نوحہ بیان کیا گیا ہے اس سے اُس وقت کی مجموعی ابتری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کو اوائل دن سے ہی جن مشکلات کا سامنا رہا ہے اس کے بارے میں اس عہد کی غزل سے ہمیں اختصار سے حالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔اس کی نظیر اور کہی نہیں ملتی۔شاعری کے لیے جس جذبے اور احساس کی اشد ضرورت ہوتی ہے وہ ابتدائی مشکلات کے روپ میں میسر آئی۔یہ بھی حقیقت ہے کہ اچھا ادب ہمیشہ بُرے حالات میں پیدا ہوتا ہے۔ میں اگر یہ کہوں کہ اچھی غزل بُرے حالات میں اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ ہمارے شعور کا حصہ بنتی ہے تو مبنی بر حقیقت ہوگا۔ڈاکٹر وزیر آغا کی یہ بات اس ضمن میں درجہ بالا مباحث پر صادق آتی ہے:

"غزل نے جس انداز سے شعر کے مختصر پیمانے میں بڑے بڑے
مطالب کو سمیٹا ہے شاعری کی کسی اور صنف کا روگ نہیں۔"

قیام پاکستان کے بعد چھٹی دہائی سے روایت کے ساتھ قدرے جدت بھی غزل کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ اس دور میں ظفر اقبال، شکیب جلالی اور شہزاد احمد نے غزل کو نئے مزاج اور جدید طریقوں سے روشناس کروایا۔ غزل کے اس مزاج کے موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر بھی جدید تجربے ہوئے جو بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ یہ تجربے غزل کے ہیئتی اور داخلی نظام سے کسی قسم کی آویزش نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے کامیاب رہے ہیں ۔موضوعاتی سطح پر ظفر اقبال کے ہاں پائے جانے والے لاشعور کے تجسیمی اظہار اور سُرمئی پھند میں لپٹے پیکروں کی درجہ ذیل مثال ملاحظہ کیجیے:

شیر آکے چیر پھاڑ گیا مجھ کو خواب میں
دم بھر کو میری آنکھ لگی تھی مچان پر

شکیب جلالی نے لہو رنگ تصویروں اور دیہی زندگی کو مختلف استعاروں کے ذریعے انوکھے انداز میں پیش کیا ہے ان کا درج ذیل شعر اسی رنگ میں ہے:

فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا کوئی

شہزاد احمد نے بڑے خوبصورت انداز میں رومانی اندازِ فکر کی آمیزش سے انسان کی نفسیاتی الجھنوں کی اپنی شاعری میں عقد کشائی کی ہے۔ اُن کے ہاں شعری زندگی کا عجیب اظہار ملتا ہے۔ درج ذیل شعر میں شہزاد احمد کی رومانی ضمیر میں نفسیاتی عقیدہ کشائی کی مثال دیکھیے:

شام ہی سے سو گئے ہیں لوگ آنکھیں موند کر
کس کا دروازہ کھلے گا کس کے گھر جائے گی رات

اس دور میں پیکر سازی کی روایت نے مختلف حوالوں سے خود کو مضبوط کیا ہے۔ غزل نے اس کے لیے نئی لفظیات کا سہارا بھی لیا اور باطن کے سفر کو بھی انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس دور میں پیدا ہونے والی مجموعی تنزلی کے بارے میں ڈاکٹر رشید احمد رقم طراز ہیں:

> "معاشی، سماجی اور سیاسی ابتری نے جس بے سمتی کو جنم دیا تھا اس نے اجتماع کے بجائے ذات کو اہمیت دی اور باطنی تشخص اور اندر کی دوسری ذات کے آئینہ گزیدہ ہو جانے سے ایک عجب طرح کے دکھ اور مایوسی نے جنم لیا۔" (9)

غزل کے ایسے مزاج اور دور میں ظاہر اور باطن کے واضح فرق نے بھی انوکھی فضا قائم کی ہے۔اس خزاں رسیدگی نے ہر طرف خوف وہراس کی فضا برپا کر رکھی تھی۔اس کشمکش اور بحرانی کیفیت کو منیر نیازی کے ہاں ملاحظہ کیجیے:

میں سن رہا ہوں اسے جو سنائی نہیں دیتا
میں دیکھتا ہوں اسے جو دکھائی نہیں دیتا

نئی غزل کے اس اُفق پر اقبال ساجد، سلیم شاہد اور احمد مشتاق کی نسل اور نوع کے شاعر سامنے آتے ہیں۔ان شعرا نے قدر جدت سے اپنے شعری وجود کا احساس دلایا۔اس سے قبیل کے شعرا نے اپنا نام قائم رکھنے کے لیے بڑی ریاضت سے کام لیا ہے۔ان کے کلام کو دیکھ کر ڈاکٹر عبادت بریلوی کی غزل کے بارے میں قائم کردہ روایت درست دکھائی دیتی ہے:

"غزل گوئی بڑی مشکل چیز ہے۔نئے نئے خیالات کو نئے انداز سے صرف دو مصروں میں سمو دینا بلا شبہ دریا کو کوزے میں بند کر دینے کے مصداق ہے۔"(10)

نئی غزل کے اس مزاج میں ہمیں وہی کرب اور شدت جذبات نئے اور اچھوتے انداز میں ملتے ہیں جن میں سیاسی و سماجی، شکست وریخت اور زوال کا شدید احساس ہوتا ہے۔اظہار رائے کی آزادی کی راہ میں مارشل لاء کے دور میں بڑی رکاوٹیں اور سخت قدغنیں حائل کی ہیں۔اس طرح مزاحمتی شاعری کی راہ ہموار ہوئی اور غزل کے محبوب نے نئی معنویت اختیار کر لی اور اس معنویت نے جعفر زٹلی کے دور اور انگریز راج کی جھلک از سر نو دکھائی۔چنانچہ رقیب ،مقتل، صیاد، گلچیں، گل، بلبل، باغ، بہار و خزاں اپنے روایتی علامتی نظام کے ساتھ جدید معنویت اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اس ضمن میں مختلف اشعار بطور مثال دیکھیے جن میں غزل کا ایمائی رنگ، رمز، اشارے کے ساتھ گہری معنویت اور فنی رچاؤ ہفت رنگ احساس ہوتا ہے۔

اب اُس کے ہجر میں روتے ہیں اس کے گھائل بھی
گماں نہ تھا کہ وہ ظالم حبیب شہر بھی ہے (احمد فراز)

مکالمات سب ہجر لے گیا ہے کوئی
اب ایک سکوت ہے باقی سو وہ صبا لے جائے (جاوید احمد)

اعجاز دیدنی ہے طلسم سراب کا

دریا لکھا ہوا ہے بہے جا رہے ہیں ہم (حمایت علی شاعر)

ہر صبح پرندوں نے یہ سوچ کے پر کھولے
ان آہنی پنجروں کے شاید کوئی در کھولے (سبط علی صبا)

درج ہے تاریخِ وصل و ہجر اک اک شاخ پر
بات جو ہم تم نہ کہہ پائے شجر کہنے لگے (شبنم رومانی)

منیر اس ملک پہ آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ (منیر نیازی)

درج بالا اشعار سے غزل میں روایت پسندی کے اثرات کم ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ استعارہ سازی کے حوالے سے نئے امکانات روشن ہوئے۔ غزل کے موضوعات اور لفظیات میں واضح تبدیلیاں رونما ہوئیں تو ترقی پسندی کی اصطلاح نے خارجی حوالوں سے نئے معنی تلاش کیے اور شخصی محبت نے بھی نئے ذائقوں سے لمس آشنا کیا۔ غزل نے احساس ذات کی بازگشت سے نئے سوالات بھی قائم کیے۔ جدید سائنسی انکشافات نے غزل کے بطن میں ایک انوکھے انداز کو متعارف کروایا۔

غزل نے موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر نت نئے رنگ اختیار کیے لیکن فنی اور ہیئتی و تکنیکی اعتبار سے غزل کے مزاج میں وہی استحکام رواج پذیر ہے۔ دوسری اصناف میں غزل کے مقابلے میں ہیئتی و تکنیکی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اضافتی ترکیب سازی غزل کی زبان کا حصہ رہی ہے۔ البتہ لسانی تشکیلات نے غزل کو ضرور متاثر کیا ہے۔ نئی لسانی تشکیلات غزل کے مزاج سے عدم مطابقت کی بدولت زیادہ معنی خیز نہ ہو سکیں اس لیے انہیں خاص پذیرائی اور تقویت نہ مل سکی۔ چند شعرا کے لیے متاثر کن ثابت نہ ہو سکیں۔

غیر اضافتی ترکیب سازی نے غزل میں اظہار کو نئے ذائقے سے روشناس کیا۔ جس نے اضافتی ترکیب سازی کے لیے دوبارہ راہیں ہموار کیں۔ اب جو اردو غزل میں اضافتی تراکیب اتنی عمدگی اور پائیداری سے استعمال ہو رہی ہیں ان میں سے فارسی کا غلبہ کم ہوتا گیا اور آج کی غزل میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف وہی الفاظ و تراکیب اردو میں مستعمل ہیں جو اس کے مزاج کا مستقل حصہ بن چکی ہیں۔ جدید غزل میں مخصوص الفاظ، استعارے اور تلازمے نے جدید اور قدیم کے انضمام کا فریضہ انجام دیا ہے۔ پیکر تراشی اور تمثیل کاری نے بھی شعر کی تفہیم و تعبیر میں اضافہ کیا۔ اس سے غزل کو معنوی بازگشت میسر آئی۔ شہری اور دیہی زندگی کے نئے تلازمے اور استعارے و علائم غزل کے دامن کا حصہ بنے۔

غزل کی وسعت، ایمائیت اور اشاریت نے ہر دور میں اس کی مقبولیت اور پسندیدگی میں روز افزوں اضافے کیے۔ ہر دور کے شعرانے غزل گوئی کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھا۔ غزل نے کڑی تنقید کے باوجود اپنے آپ کو مستحکم رکھا۔ یہ اب بھی ایک پسندیدہ صنف شاعری ہے اور جدید عہد کے شعرا بھی اردو غزل میں تخلیقی جواہر دکھا رہے ہیں۔ غرض غزل امیر خسرو دہلوی کے عہد سے لے کر آج یعنی 21ویں صدی کے دوسرے عشرے کے اختتام پر بھی اپنے اندر اظہار کی سلیقہ مندی اور ہنرو ری کے ساتھ تخلیقی صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ پاکستان میں اردو غزل نے امکانات کی طرف روبہ عمل ہے۔ اس میں جدید اور قدیم مزاجوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہ اپنے باطن میں آج بھی وہی توانائی یا رعنائی اور برتائی رکھتی ہے جو کسی اور صنف سخن کو آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ اس ضمن میں نظیر صدیقی کی یہ رائے بالکل صادق آتی ہے کہ غزل اردو شاعری کی صرف صنف ہی نہیں بلکہ اردو والوں کے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر رشید احمد، "غزل کا پاکستانی دور"، مشمولہ اردو ادب کا پاکستانی دور، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2006، ص6

2۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی، "تاریخ جدید اردو غزل"، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 2000، ص78

3۔ آل احمد سرور، "انتخاب آل احمد سرور"، مشمولہ، اصناف ادب تفہیم و تعبیر، مرتبہ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، 2016ص47

4۔ کلیم الدین احمد، "اردو شاعری پر ایک نظر"، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، س ن، ص57

5۔ یحییٰ امجد، "فن اور فیصلے"، اظہار سنز لاہور،، 1969، ص164

6۔ سید عابد علی عابد، "اصول انتقاد ادبیات"، مجلس ترقی ادب لاہور، بار اول، 1960، ص315

7۔ ڈاکٹر رشید احمد، "غزل کا پاکستانی دور"، محولہ بالا ص8

8۔ ڈاکٹر وزیر آغا، "تنقید اور احتساب"، جدید ناشرین لاہور 1968، ص46

9۔ ڈاکٹر رشید احمد، "غزل کا پاکستانی دور"، محولہ بالا، ص13

10۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، "تنقیدی زاویے"، اردو اکیڈمی سندھ کراچی 1961، ص107